R. NO. 218/57
REGD. NO. 6922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

جلد ۲، شمارہ ۲۹ | ایڈیٹر آل احمد سرور | یکم اگست ۱۹۶۹ء

اداریہ

"عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں"

جب دو جیالے امریکی ہوا باز نیل آرمسٹرانگ اور ایلڈرن نے چاند کی سرزمین پر پہلا قدم رکھا تو انسانیت کی تاریخ میں ایک نیا باب شروع ہو گیا۔ انسان نے خلا کو تسخیر کرکے زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور چاند تک پہنچ کر یہ ثابت کر دیا کہ اس کے عزم و ہمت کے سامنے فطرت کی ساری طاقتیں سرنگوں ہو سکتی ہیں۔ یہ عظیم انسانی اور تاریخی کارنامہ صرف دو امریکی ہوابازوں کا ہی نہیں، سائنس، انجینئرنگ، انسان کی جدوجہد اور محنت اور مہارت کا بھی ہے۔ اس پر امریکہ کو ہی نہیں ساری دنیا کو فخر ہے اور سب اس خراجِ عقیدت میں شریک ہیں۔ خلا کی تسخیر کی یہ پہلی منزل ہے۔ ابھی کتنے ہی سیارے اور چاند انسان کے قدم کے منتظر ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند کی اس مہم پر جو اربوں روپیہ خرچ کیا گیا وہ کسی دوسرے مفید کام میں صرف ہو سکتا تھا، وہ انسان کی فطرت سے ناواقف ہیں۔ میلوری سے جب یہ سوال کیا گیا کہ تم ایورسٹ پر کیوں چڑھنا چاہتے ہو تو اس نے جواب دیا "اس لئے کہ وہ ہے"۔ چاند پر پہنچنا اس لئے انسان کے لئے ضروری تھا کہ وہ چاند ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس روپیہ کو سمندر کی تہ کے اسرار دریافت کرنے اور متبادل غذا دریافت کرنے کے لئے صرف کرنا چاہئے تھا، یا اسے کینسر جیسے موذی مرض کا علاج دریافت کرنے میں لگانا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بھی ضروری ہیں اور ان کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر انسان کی فطرت عجیب و غریب ہے۔ وہ صرف نفع و نقصان، مفید اور مضر، اچھے اور برے کے چکر میں گرفتار نہیں رہتا، بلکہ سربلندی تک پہنچنا چاہتا ہے، ناممکن کو ممکن بنانا چاہتا ہے، آسمان سے تارے توڑنا چاہتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ستاروں کی گزرگاہوں کا ڈھونڈنے والا ابھی زندگی کی شبِ تاریک کو سحر نہیں کر سکا ہے۔ ابھی اس نے اپنی تخریبی جبلتوں پر قابو پانا نہیں سیکھا، ابھی قتل اور غارتگری اور ظلم اور بربریت سے رہائی حاصل نہیں کر سکا، ابھی رنگ، نسل، علاقے، زبان، مذہب، ذات پات، آئیڈیالوجی نے اس کو ٹولیوں اور گروہوں میں بانٹ رکھا ہے۔ مگر تخریب اور تشدد کے ساتھ تعمیر اور امن پسندی کی قوتیں بھی کام کر رہی ہیں۔ زندگی انہی تضادات اور عجائبات کا نام ہے۔ انسان نے سائنس سے تباہ کاری کا بھی کام لیا ہے مگر اس کی وجہ سے سائنس کو الزام دینا غلط ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ چاند تک پہنچنے کی یہ مہم، فضا اور خلا کو اپنی ملک گیری کی ہوس کا آلہ بنانے کا ذریعہ بن جائے۔ بجلی سے گھر اور بازار روشن بھی ہوتے ہیں اور بجلی کے تار سے چپک کر لوگ مرتے بھی ہیں۔ جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا جائے گا نئے نئے خطروں سے بھی دوچار ہوگا۔ نئے نئے امراض بھی پیدا ہوں گے اور ان امراض کے علاج بھی۔ انسان ہر لحظہ نئے طور کی جستجو کرتا رہے گا اور اس کا مرحلۂ شوق کبھی طے نہ ہوگا۔

رہی یہ بات کہ چاند کی مٹی، مٹیالی، بنجر، بے جان فضا کے علم کے بعد چاند کے متعلق شاعری بیکار ہو جائے گی تو یہ بات بھی صحیح نہیں۔ چاند کا حسن اس جلوے میں ہے جو ہمیں نظر آتا ہے۔ وہ دوری حسن ہے۔ چاند ایک علامت تھی۔ جب یہ علامت بیکار اور فرسودہ ہو جائے گی تو شاعر نئی علامات وضع کرے گا۔ بہرحال چاند کا علم، اس کی ساخت کا علم، اس کی چٹانوں کا علم، فضا میں کون دوا کے ہیئت سے مطلوں کا علم ہمیں دے گا اور دوسرے اجرامِ فلکی تک پہنچنے کے لئے اس سے مدد ملے گی۔ اقبال نے ٹھیک کہا تھا۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

کبیر داس ہمارے ملک میں جذباتی ہم آہنگی کے پیغام بر تھے
بی۔ گوپال ریڈی گورنر اترپردیش کی تقریر

اترپردیش کے گورنر جناب بی۔ گوپال ریڈی نے لکھنؤ میں کبیر جینتی تقریب

کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے دانشوروں اور ادیبوں کو تمام مذہبی امتیازات سے بلند ہو کر کبیر کی شاعری میں چھپی ہوئی باغیانہ روح کو سمجھنا چاہئے۔ کبیر داس نے زندگی بھر عقیدے کی تنگی، عصبیت اور مذاہب کی خارجی تفریق کے خلاف عملی جہاد کیا۔ اپنے افکار کی اشاعت کے لئے انھوں نے ایسی زبان اور اسالیب و لہجہ اختیار کیا جو تمام لوگوں کے لئے قابل فہم تھا۔ کبیر داس ہمارے ملک میں جذباتی ہم آہنگی کے پیامبر تھے۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے کبیر داس کی سو نظموں کا جو ترجمہ کیا ہے اس کے توسط سے مغربی دنیا نے بھی کبیر کی عظمت اور ان کے خیالات کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھا ہے اور یورپ کی تقریباً تمام زبانوں میں ان نظموں کے تراجم ہو چکے ہیں۔ (نیشنل ہیرالڈ)

تلنگانہ پرچم سے اردو الفاظ کیوں نکال دیئے گئے؟

تلنگانہ پرجا سمیتی کے ایک بانی رکن کا احتجاج

جناب منیر جمال نے جو تلنگانہ پرجا سمیتی کے دس بانیوں میں شامل ہیں اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا ہے کہ "جے تلنگانہ" کے نقشے سے اردو الفاظ حذف کر کے تلنگانہ کے پچاس لاکھ محبان اردو کے جذبات کی توہین کی گئی ہے۔ صدر تلنگانہ پرجا سمیتی کے سامنے عوام کی خدمت میں جو نقشہ پیش کیا گیا تھا اس میں انگریزی، تیلگو اور ہندی کے ساتھ ساتھ اردو رسم الخط میں بھی "جے تلنگانہ" کے الفاظ موجود تھے لیکن اب اردو اور ہندی الفاظ نقشے سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ دونوں زبانوں سے محبت کرنے والوں کو تکلیف پہنچی ہے بلکہ عوام کے فیصلے کی بے حرمتی بھی کی گئی ہے۔ (رہنمائے دکن)

ادیب قومی اتحاد اور یک جہتی کو بھی فروغ دے سکتے ہیں

حکومتِ ہند کی نگرانی میں ایک کمیٹی کی تشکیل

پچھلے دنوں حکومت ہند نے قومی اتحاد و یکجہتی کے جذبات کو فروغ دینے کے لئے ماہرین تعلیم اور طلبہ کی ایک کمیٹی کے علاوہ ادیبوں کی ایک انجمن قائم کرنے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ کمیٹی کے چیرمین مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر آر۔ وی۔ داؤ ہیں اور کمیٹی کے مقاصد کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اس حکمت عملی اور ذرائع کی نشاندہی کرنا جو قومی اتحاد و یک جہتی کو فروغ دیں۔

(۲) رائے سازوں اور عوام میں (الف) قومیت کی افادیت (ب) ہم رنگی میں اتحاد کی ضرورت (ج) ملک کے انمول ثقافتی ورثہ اور رواداری اور (د) ملک کے قدیم عظیم دانشوروں، ادیبوں، لیڈروں، فن کاروں نے اس قدیم ورثہ کی ساخت و پرداخت میں جو حصہ لیا ہے اس کا احساس پیدا کرانا۔

(۳) ایسے ثقافتی، ادبی اور دیگر طریقے اور ذرائع اختیار کرنا جو اتحاد و یکجہتی کے پیغام کی اشاعت کر سکیں اس کمیٹی میں حکومت ہند کے ذریعہ ۱۸ معروف ادیبوں کو بطور رکن نامزد کیا جائے گا۔ (قومی آواز)

ریاض کا گم شدہ دیوان

ریاض مرحوم کی اوائل عمری کا زمانہ تھا۔ حضرت غالب کا دیوان نظر سے گزرا طبیعت میں جولانی بہت تھی جناب میں ایک دیوان لکھ دیا اتفاق ایسا ہوا کہ جناب غالب کو بھی اس کی سن گن مل گئی اور انھوں نے ریاض مرحوم کے والد صاحب سے شکایت کی انھوں نے وہ دیوان ریاض صاحب کے ہاتھ سے جلوا دیا۔ لیکن ریاض صاحب نے اس کو صاف بھی کر لیا تھا۔ یہ صاف شدہ مسودہ رہ گیا ریاض مرحوم اسے بھول گئے اور یہ مسودہ کسی گوشہ میں پڑا رہا۔

مرحوم کو (جناب ریاض) اپنی عمر کے آخری ایام میں یہ مسودہ مل گیا اور انھوں نے اثیم صاحب کو بلوایا اور یہ مسودہ ان کو عنایت فرمایا کہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن شائع نہ کریں اب یہ مسودہ جناب نادم سیتاپوری کے پاس ہے میں نے کوشش کی کہ اسے دیکھ سکوں۔ مگر نادم صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی میں کئی مرتبہ سیتاپور بھی گیا مگر لا حاصل۔

اس مسودہ کا ایک شعر بطور مشتے نمونہ از خروارے سن لیجئے لیکن پہلے حضرت غالب کا شعر سنئے۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ریاض صاحب نے اس قافیہ کو اس زمین میں یوں نظم فرمایا ہے ؎

وہ لحد میں بوسے سے تھی کہ نہ آسکے فرشتے!
میں بڑے عذاب میں تھا جو نہ بادہ خوار ہوتا

(قومی آواز)	عزمی خیرآبادی

ناظر کاکوروی کا انتقال

۱۸ر جولائی کی صبح کو اردو کے کہنہ مشق اور معروف ادیب جناب شبیر احمد علوی ناظر کاکوروی کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم لکھنؤ میں قیام پذیر تھے۔ ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔

ناظر کاکوروی کی ادبی زندگی کا آغاز آج سے تقریباً پچاس برس پہلے ہوا تھا۔ مختلف النوع موضوعات پر ان کے مضامین اور افسانے ان دنوں تمام ممتاز ادبی رسائل میں شائع ہوتے تھے۔ ان کی کئی تصانیف بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔

ادارہ ہماری زبان مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے اور ان کے پس ماندگان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

عبدالقوی دسنوی

مولانا ابوالنصر غلام یٰسین آہ دہلوی

مولانا آہ دہلوی جن کے متعلق تفصیلی مضمون جناب مالک رام صاحب نے اپنے سہ ماہی رسالہ تحریر دہلی میں شائع کیا ہے۔ مطالعہ کے دوران مجھے کچھ ایسی چیزیں ملی تھیں جن کا ذکر مالک رام صاحب کے مضمون میں نہیں تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں میرا مختصر سا مضمون ہماری زبان ۱۵ نومبر ۱۹۶۸ء میں آچکا ہے۔ اب مولانا آہ سے متعلق کچھ اور باتیں دریافت ہوئی ہیں اور ان کی دو تعلیں ملی ہیں۔ مولانا کے حالات زندگی سے متعلق خمخانۂ جاوید میں تحریر ہے۔

"(آہ) منشی غلام یٰسین نام ہے اور ابو النصر کنیت اصل وطن دہلی ہے مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم ہیں جوانی کے ساتھ طبیعت میں بھی نہایت شوخی اور رنگینی پائی جاتی ہے عربی فارسی میں اچھی قابلیت ہے چنانچہ فنون مختلفہ میں ان کے اکثر مضامین رسالہ زمانہ وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے ان کی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس وقت اخباری دنیا میں خاصی شہرت ہے۔ کلکتے سے ایک رسالہ بھی الصدق نامی شائع کیا تھا۔ ایک مرتبہ حیدرآباد دکن بھی گئے تھے۔ مگر بے نیل مرام واپس آئے۔ نثر کے علاوہ نظم میں بھی خاصی دستگاہ ہے جدت شوخی اور طرز بیان قابل تعریف ہے۔ فن سخن میں حضرت داغ دہلوی مرحوم سے اصلاح لی ہے۔ انتخاب کلام حاضر ہے۔"

انتخاب کلام میں چار شعر دیے ہیں جو اس سے پہلے نظر سے نہیں گزرے۔ ملاحظہ کیجئے ؎

کیا کہوں خنجر اٹھایا اس نے کس انداز سے
مرنے والا قتل سے پہلے ہی بسمل ہو گیا

چارہ گر چپکے سے کیا پڑھ کے دوا دیتے ہیں
کوستے ہیں مجھے ظالم کہ دعا دیتے ہیں
ہم فقیروں کو بھی کچھ حسن کی خیرات ملے
جن کو دیتا ہے خدا راہ خدا دیتے ہیں
کیوں کروں میں خلش خار تمنا کا علاج
یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو مزا دیتے ہیں

ایک نظم بعنوان انجمن "مخزن" اگست ۱۹۰۲ء میں ادارے کے نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی ہے جو حسب ذیل ہے۔

"کلکتے کی ایک علمی انجمن میں شرکت کے لئے لوگوں کو ترغیب دینے کے واسطے مندرجہ ذیل چند بند مولوی غلام یٰسین صاحب آہ دہلوی مقیم کلکتہ نے ایک جلسے میں پڑھے ہیں۔ اور اب یہ نظم اشاعت دفتر مخزن میں ارسال فرماتے ہیں اور ساتھ ہی چند تمہیدی سطریں لکھتے ہیں۔"

ملک الشعراء ناصر بخاری کی غزل پر یہ اردو کے بند کہے گئے ہیں۔ یہ وہی ناصر بخاری ہے جس نے مکہ شریف جاتے ہوئے بغداد میں چند روز قیام کیا اور وہاں کے شاہی استاد خواجہ سلمان کو اپنے گروہ تلامیذ میں داخل کیا۔ یہاں اختصاراً بیان کیا جاتا ہے اس کی حالت افلاس اس قابل نہ تھی کہ خواجہ سلمان جیسے کے گھر پر ملاقات کی غرض سے جاتا اتفاقاً ایک دن دریائے دجلہ کی سیر کو خواجہ صاحب مع معززان شہر و شاگردان مشتاق تشریف لائے آپس میں بڑی دیر سے یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اب کے سال کچھ دنوں پہلے دجلہ بڑے زور و شور پر تھا اور خوب چڑھ آیا تھا۔ ناصر نے ان کے یہاں آنے کی خبر سن پائی اپنی اسی خستہ حالی

شہریار

ایک خوشخبری

ہنسو کہ سرخ و گرم خون پھر سفید ہو گیا

ہنسو کہ نقطۂ امید پھر خلا کے دائرے میں آج قید ہو گیا

ہنسو کہ دشت آرزو میں تھک تھکا کے سب بگولے سو گئے

ہنسو کہ راستے تمام بے نقوش ہو گئے

ہنسو کہ شہر زندگی کا بے فصیل ہو گیا

ہنسو کہ سایۂ صلیب پھر طویل ہو گیا

۱؎ جلد ۲ شمارہ ۲
۲؎ خمخانۂ جاوید جلد اول ص۳۵
۳؎ "لسان الصدق"

کا تحفہ لئے ہوئے جا پہنچا اور موقع پاکر سلام کیا خواجہ صاحب نے کہا "چہ کسی" ناصر نے جواب دیا کہ "مرد غریب شاعرم" اسی اثنا میں خواجہ سلمان کی زبان سے یہ مصرع نکل گیا کہ

دجلہ را امسال رفتار عجب مستانہ بود

پھر گرد و شاگردوں کی سمت نظر اٹھائی سب کو سر نگوں پایا کسی نے ثانی مصرع نہیں کہا سب کے سب تفکر کے دریا میں غوطہ کھانے لگے۔ مایوسی کے عالم میں (بطور امتحان) سلمان نے ناصر سے کہا "اگر تو شاعر ہستی مصرعہ ثانیش بگو" ناصر نے کچھ آگے بڑھ کر کہا "بچشم" ؎

دجلہ را امسال رفتار عجب مستانہ بود
پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ بود

خواجہ صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ دوڑ کے معانقہ کیا، نام پوچھا اور بعد تعریف و تحسین بیش بہا سے گھر لے آئے اور بڑی عزت کی اس کا شہرہ تو ہونا ہی تھا اب ہیں۔ انیقین کا رتبہ حاصل کرتے ہیں اپنے کلام پر اصلاح لی اور ناصر بخاری کی شاگردی کا فخر پایا۔ ناصر نے اسی وقت یہ پانچ شعر کی غزل کہی تھی جو بغداد میں عام زبان زد ہو گئی تھی اور جسے بغداد والے ہر کہ و مہ کی زبان پر پاتے تھے"

نظم "انجمن" ملاحظہ کیجئے ؎

اجمال کی تفصیل ہے اور بات ہے ایسی
اوروں سے تو مطلب نہیں میں کہتا ہوں اپنی
زور کشش سلسلۂ الفت جاناں
کھینچے لئے جاتا ہے مجھے سوئے گلستاں
پھولوں سے سروکار نہ کانٹوں سے عداوت
کلیوں سے نہ الفت ہے نہ بلبل سے محبت
مارا ہوں محبت جاں پرور یار است
ورنہ غرض از بادہ پرستی نہ خمار است

دو چار اکٹھے ہوں اگر بات کے پورے
پورے ہوں کبھی کام نہ رہ جائیں ادھورے
ہمت کی طرح جاہ کے انداز فزوں ہوں
رکھتے ہی قدم بزم میں سرگرم جنوں ہوں
جو عشق کے میدے میں دو غم کھائیں تو کھائیں
جو مرد ہیں میداں میں وہ ہی آئیں تو آئیں
آتش نقصان حمیت نہ شناسند
افسردہ دلاں را بخرابات چہ کار است

مشتاق ہیں مشتاق ہیں صورت تو دکھاؤ
مطلب کی کہو، آؤ۔ ذرا ہاتھ ملاؤ
مل بیٹھ کے دس پانچ کرو کام کی باتیں
کٹ جائیں کبھی مسئلۂ عشق میں راتیں
یاں آؤ تو معلوم ہو ایمان کی حالت
مل جاؤ تو کثرت ہی بتا دے تمہیں وحدت
در مدرسہ کس را نہ رسد دعوئے توحید
منزل گہہ مرداں موحد سر دار است

تم پہلے تو ملتے نہیں یہ دیکھ کے نقشا[1]
ملتے ہو تو سنتے نہیں پھر دل کی کہیں کیا
اسلام ہے اسلام کی بو باس نہیں ہے
بو باس ہے بو باس کا کچھ پاس نہیں ہے
جب شکل ہی بھونڈی ہے تو مانند ہے حائل
تم روح تو رکھتے نہیں اس سانچے کے حامل
تسبیح چہ کار آید؟ و سجادہ چہ باشد؟
بر مرکب بے طاقت روح این ہمہ بار است

اپنوں کا برا حال تو دیکھا نہیں جاتا
ہم جیسوں کو ہنسنا نہیں آتا نہیں آتا
کیوں دور پڑے پھرتے ہیں مل جائیں خدارا
شکل اپنی ہمیں بزم میں دکھلائیں خدارا
اور یہ نہیں تو آہ سے کہدیں کہ نہ آنا
پھر آہ کی حالت کو نہ پوچھیں نہ ٹھکانا
ناصر اگر از ہجر بنالد عجبے نیست
مہجور ز یار است و پریشاں ز دیار است

آہ کی دوسری نظم "رام کہانی" ہے جو مخزن دربار نمبر دسمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی ہے ملاحظہ کیجئے ؎

پہلے ہم بچے تھے اک نادان تھے
بے نوا تھے بے سر و سامان تھے
بچپنے کے ہاتھ سے مجبور تھے
رات دن کی کھیل میں مسرور تھے
پھر جوانی آئی تو آئی بہار
خوب دیکھی گردش لیل و نہار
بے سر و سامانیاں جاتی رہیں
اگلی آنا کانیاں جاتی رہیں

---

[1] یعنی انجمن کی جاتی ہے اور یہ انجمن الاسلام کا جلسہ انھیں دعوت دیتا ہے جو شریک نہیں ہوتے ہیں۔

ستیاں سوجھی ہوس کی مان لی
ٹھان لی جو کچھ کہ دل میں ٹھان لی
جس نے ٹوکا بے تکلف کہہ دیا
آخرت تو آئے دیکھا جائے گا
ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را
علم سیکھا اور ہی کچھ ہو گئے
"ذات کے جاگے ہوئے سے سو گئے"
پھر نہ جاگے عمر بھر خواری ہوئی
قبر میں لیٹے تو بیداری ہوئی!

ایسی بیداری سے سونا خوب تھا
اور اس سونے پہ رونا خوب تھا
"مردماں را سر بسر در خواب دان
گشت بیدار آنکہ او رفت از جہاں"
ایک ظاہر تھا نتیجا اور بھی
ایسے دلیلوں نے اڑایا اور بھی
"واہ کیا کہنے ہیں چہرہ دیکھئے
رحمت حق کا تماشہ دیکھئے
اب تو ہر مسجد کے منبر سج گئے!
اور کیا حضرت کے ڈنکے بج گئے
آپ کو کوشش سے یہ رتبہ ملا
لیس للانسان الا ما سعیٰ
لگ گئی تقدیر بھی تدبیر سے
آدمی سونا بنا اکسیر سے"
ماہر ہر علم حضرت ہی تو ہیں
ماحیٔ تفسیر و بدعت ہی تو ہیں
آپ کو سچوں میں سچا جانئے
جانئے اچھوں کو اچھا جانئے

ایسی باتوں سے بڑھا کبر و غرور
بڑھتے بڑھتے پڑ گئے رستے سے دور
پہلے رحمت تھے تو زحمت ہو گئے
خضر سے گمراہِ امت ہو گئے
ہو گئے سرمست صہبائے خودی
بیخودی میں کچھ نہ سوجھی دور کی
جب ہوائے نفس میں رہنے لگے
آدمی کو آدمی کہنے لگے
خود پرستی کی طرح غفلت بڑھی
خود کو بھولے غیر سے الفت بڑھی

کاش ہم دلدار پر رکھتے نظر
"اعتمادیست بر علم و ہنر"

جب ہوئی اس ابتدا کی انتہا
ہو گئی اس انتہا کی ابتدا
انگلیاں اٹھیں تماشہ ہو گئے
چار سو عالم میں رسوا ہو گئے
ایک نے بڑھ کر کہا حضرت یہ کیا
آپ ہی ہیں ہادیٔ امت یہ کیا؟

خود کو بھولے اور خودی میں آ گئے
منہ کبھی یوں آئے کہ منہ کی کھا گئے
آپ اپنی ذات سے ماہر نہیں
بات جو مخفی ہے وہ ظاہر نہیں
"مودی گشتی و آگاہ نیستی
خود کجا و از کجا و کیستی"
معرفت کیا چیز ہے فرمائیے؟
آپ سمجھے ہیں تو کچھ سمجھائیے؟
"ایں روا آں ناروا دانی و لیک
تو روا یا ناروائی بیں تو نیک
تو ہمیدانی مجوز و لا یجوز !
خود ندیدانی کہ عجوزی یا عجوز !

مرگ کے ظاہر نشاں ہونے لگے
تیر سے حضرت کماں ہونے لگے
پر نہ سمجھے آپ کو یہ کیا ہوا
آپ کا کہنا مرا کہنا ہوا
علم کے دنیا میں جھنڈے گڑ گئے
پھر بھی تو لینے کے دینے پڑ گئے
"صد ہزاراں علم دارد از علوم
جان خود را می نداند ایں ظلوم"

داغ دو کھائے ہیں رونا ایک کو
آنکھ کا ہونا نہ ہونا ایک ہے
"اے بسا عالم ز دانش بے نصیب
حافظ علم است آنکس نے حبیب"
ہائے سب منطق کا جھگڑا ہیچ ہے
ہیچ ہے صغریٰ و کبریٰ ہیچ ہے
عمر در محمول و در موضوع رفت
بے بصیرت عمر در مسموع رفت

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

اختر نظمی

غزل

کیسے کیسے نام ہیں اور کیسے کیسے افسانے ہیں
اس نگری کے لوگ ہمارے سب جانے پہچانے ہیں

اپنی ہی باتوں سے دنیا کو دلچسپی ہے، کیا کہئے
یوں تو یہاں کہنے سننے کو اور بہت افسانے ہیں

ایک سہانا، بھولا بسرا خواب بنا ہے آنکھوں نے
رنگ برنگی، گنگا جمنی، جس کے تانے بانے ہیں

محفل میں تنہائی کے احساس سے وحشت ہوتی ہے
خیر تو آخر غیر ہی ٹھہرے اپنے بھی بیگانے ہیں

تم نے بھری محفل میں اسی کی ہمت نہ دیکھا خوب کیا
ایک تم ہی ہوشیار ہو نظمی اور تو سب دیوانے ہیں

مراسلات

اُردو کا روشن مستقبل

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ مغل دور میں عدالتی زبان فارسی رہی یہاں تک کہ آخری مغل تاجدار بادشاہ ظفر باوجودیکہ وہ خود شمالی ہند کی تہذیبی امتزاجی دھاروں کے تاریخی ارتقا کی وجہ سے اردو کے بہت اچھے شاعر تھے، اپنی لال قلعے تک محدود سلطنت کے امور میں فارسی کے روایتی استعمال کو قائم رکھے رہے۔ راجہ رام موہن رائے جیسے فارسی داں عالم کو انھوں نے اپنے مقدمے کی انگلستان میں پیروی کے لئے وکیل مقرر کیا تھا۔ مغل سلطنت اگرچہ برائے نام رہ گئی تھی، مگر انگریزوں کے لئے تو وہ سیاسی طور پر پورے ہندوستان کی سیاست کا مرکزی نکتہ تھی اور مغل بادشاہ کی شخصیت بھی کل ہند سیاسی اہمیت کی حیثیت رکھتی تھی، خصوصاً غدر کی وجہ سے تو یہ اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ غدر کی سرگرمیوں کے سلسلے میں اور غدر سے پہلے بھی جو لوگ قلعے سے وابستہ رہے، ان کی بھی ظاہر ہے ایک کل ہند تاریخی حیثیت ہوگئی ہے۔ ان میں خواہ غالب ہوں، حکیم احسن اللہ یا رام موہن رائے وغیرہ ہوں۔ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں پراچین دور سے یہ کشمکش ہمیشہ جاری رہی ہے کہ یہاں کسی نہ کسی طرح ایک مستحکم سیاسی مرکز قائم ہو۔ ویسے سامراج تو یہاں بہت سے قائم ہوئے مثلاً اشوک سامراج گپت، کشن، وجے نگر وغیرہ، لیکن ان کی وسعت موجودہ دو تین صوبوں کی حدود سے زیادہ نہیں تھی اور ان سامراجوں کی راجدھانیوں میں کسی قسم کی مرکزی مخلوط زندگی کا ارتقا ہو پایا، اس کی کوئی واضح تصویر تاریخی شواہد کے ساتھ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ثقافتی لحاظ سے ان راجدھانیوں میں کن کن علاقائی زبانوں کا سنگم ہوا اور اس کی مخلوط مروجہ شکل کیا رہی، اس کا بھی ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ غرض کل ہند حیثیت کی ایک مرکزی سیاسی، اور ثقافتی مخلوط زندگی کا ہمارا خواب اگر شرمندۂ تعبیر ہوا تو اکبر کے زمانے میں، ورنہ اس سے پہلے باوجودیکہ مذہبی اعتبار سے سنسکرت ہندوستان کی لسانی وحدت کی آئینہ دار تھی، ہندوستان مختلف علاقوں میں بٹا ہوا تھا۔ سنسکرت محض برہمنوں کی مذہبی ثقافت اور ان کی ذہنی برتری کو قائم رکھنے کا ذریعہ بنی رہی۔ علاقائی زبانوں کی کثرت میں سنسکرت کی وحدت وسیع ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور کل ہند قسم کی مخلوط ثقافتی زندگی کی پیاس نہیں بجھا سکی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ عوامی زندگی سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتی رہی۔

ہندوستان میں مرکزیت پیدا کرنے کا جو فرض سنسکرت یا پالی کو انجام دینا تھا، اس کا بار حسن اتفاق سے سنسکرت کی سگی بہن فارسی کے کندھوں پر آ پڑا۔ ظاہر ہے فارسی کے ساتھ اس قسم کے مذہبی تقدس اور سوشل برتری کا احساس وابستہ نہیں تھا جیسا کہ سنسکرت کے ساتھ تھا۔ ہاں فارسی سے حکمرانوں کے سیاسی مرکزی اقتدار کے ساتھ ساتھ اس کے ادبی اور ثقافتی سرمایے کی برتری ضرور وابستہ تھی۔

پھر اس عدالتی زبان فارسی کے خاتمے کے بعد کل ہند قسم کی مرکزی زندگی میں یہاں جو خلا پیدا ہوا اسے ظاہر ہے اس کے قریب کی ایک خالص شہری ثقافتی زبان اردو ہی پُر کر سکتی تھی۔ سیاسی خلا کو تو وہ پُر کر بھی نہیں سکتی تھی، کیونکہ اس کام پر نووارد انگریزی کے تسلط اور اقتدار کی نظریں جمی ہی چکی تھیں۔ سیاست سے قطع نظر فارسی کے بعد انگریزی کے چلن کے ساتھ ساتھ ابتداءً دہلی کے سیاسی مرکز میں اردو ہی وہ واحد ترقی یافتہ مرکزی زبان رہ گئی تھی جو روزمرہ عام بول چال کی، ملکی اور ادبی، تفریحی، تجارتی اور سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے استعمال ہو رہی تھی، کیونکہ برسوں کے ثقافتی اختلاط کے ارتقا نے اردو کو یہاں جنم دیا تھا، وہ شہری عوام و خواص کی رواں، شستہ اور فصیح زبان بن چکی تھی۔ ایک مرکزی ترقی یافتہ شہری، لسانی اور ادبی زندگی کی تشنگی اور محرومی کا جو احساس اور اضطراب صدیوں سے ہمارے سینوں میں پرورش پا رہا تھا وہ اردو کے روپ میں نمودار اور شگفتہ ہوا۔ اس لسانی مظہر کی نمود ظاہر ہے سیاسی مرکزیت کے بغیر ممکن نہ ہوتی۔ اردو کی دلنوازی اور وسیع دامانی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہندو مسلم ادیبوں کے علاوہ چند انگریز اور فرانسیسی محقق مستشرقین بھی اس کے پرستاروں میں شامل تھے اور آج بھی ہیں۔

لیکن انگریزوں کی جدید تر سیاست آہستہ آہستہ جدید مغربی علوم و فنون، جدید تمدن اور روشن خیالی کی تعلیم کی آڑ میں ہماری پسماندگی اور جہالت کا ناجائز فائدہ بھی اٹھاتی رہی اور وہ اس طرح پر کہ بنگال کی نفسیاتی اور جذباتی زندگی میں جدید ترقی پذیر رجحانات کے فروغ کے ساتھ ساتھ ایک غیر واضح اور غیر ترقی یافتہ قدیم کلچر کے احیاء کا فتنہ بھی اٹھتا اور پھیلتا رہا۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنی پسماندہ غیر متمدن دیہی زندگی پر نادم ہوتے، غیر شعوری طور پر اس پراچین سراب کی جانب دوڑ پڑے۔ سرسید کی بصیرت اور عصری بیداری نے اس خطرے کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ پسماندہ ہندوستان کا ذہن خام اور ناپختہ ہے اور سماج کے سارے طبقوں میں نابرابری بہت زیادہ ہے جب تک جدید علوم و فنون سے زیادہ سے زیادہ لوگ فیضیاب نہ ہو لیں تب تک جمہوری سیاسی تحریک قبل از وقت ہے۔ اسی لئے انھوں نے کانگریس کی سیاسی تحریک کو جلد بازی پر محمول کیا اور وہ اس سے کنارہ کش ہو گئے۔ خالص تعلیم کی اشاعت ہی کو انھوں نے اپنی زندگی کا محبوب مشن بنائے رکھا۔ ان کے اندیشے کے مطابق آخرش انجام یہی ہوا کہ آئین پرستی اور جمہوری سیاست کے شوق میں ہم پارٹی کی اکثریت کی جگہ مذہبی فرقے کی اکثریت ہی کا پاٹ پڑھتے چلے گئے۔ اس لئے کہ خود ہمارے ہی غیر واضح ذہن میں اس قسم کا چور بیٹھا تھا۔ غرض انگریزوں کی تفریق و تقسیم کی حیلہ گر سیاست کامیاب ہو کر رہی۔ جدید اور قدیم کی اس کشمکش میں قدامت ہی کا پلہ بھاری رہا۔

لیکن ان تمام سیاسی ناخوشگواریوں کے باوجود سب سے مستحسن اور روشن ترین ثقافتی پہلو جو ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ کہ دونوں پڑوسی ملکوں

میں سو بجاتی ثقافتی تنگ نظری کے طوفان کے باوجود اردو کی مرکزی اہمیت بجائے کم ہونے کے اور بڑھی ہے اس لئے کہ سیاسی تقسیم کے بعد پاکستان سے ایک طرف تو اردو کے اعلیٰ پایے کے ادیب ہندوستان میں داخل ہوئے اور دوسری طرف ہندوستان سے خصوصاً دہلی، یوپی اور بہار سے اردو بولنے والے جوق در جوق نقل وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ اس طرح بحیثیت مجموعی دونوں ملکوں میں اردو کی عمودی اور افقی ترقی اور توسیع ہوئی پاکستان سے جو ہندو ادیب یہاں آئے ان سے ہماری لسانی سیکولرزم کی اردو کے توسط سے توثیق ہوئی اور سیاسی سیکولرزم کو تقویت پہنچی۔ ہندوستان چونکہ اردو کی جنم بھومی ہے، اس لئے یہاں تو اس کی ثقافتی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ اس کے بولنے اور لکھنے والوں میں اس کے صحافیوں اور پریس مالکوں میں ملت و مذہب کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اور اب تو ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ دنیا کے کئی دوسرے ملکوں کے اطلاعاتی نشریات کے ذریعے سے ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کی مقبولیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ صحت مند علامت اس بات کی دلیل ہے کہ ہندی اور اردو دونوں میں کوئی عملی اور معاشرتی فصل نہیں ہے بلکہ دونوں کے ڈانڈے آہستہ آہستہ مل رہے ہیں فصل کی سیاست والوں کی سمجھ میں وصل کی بات نہیں آسکتی۔ ہندی کو اگرچہ اس کے رسم الخط کی وجہ سے سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی ہے اور اسے وفاقی زبان کا آسن دیدیا گیا ہے، لیکن وہ آج بھی اردو کے لب ولہجے، اس کی روانی، شوخی اور شگفتگی کی محتاج ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندی کے دوش بدوش اردو نے ہندوستان کی مرکزی ثقافتی زندگی میں حسب معمول اپنا اہم رول ادا کرنے کی مہم تیز کر دی ہے اور اس کے ثبوت میں سردست دو لازوال تخلیقات قرۃ العین حیدر کا تہذیبی تاریخی ناول "آگ کا دریا" اور ساغر نظامی کا "نہرو نامہ" پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان جیسی تصنیفات سے اردو زبان و ادب کے قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اردو اتنی ترقی یافتہ زبان ہے کہ اس کی مکالماتی روانی اور محاوراتی ریل پیل، ڈرامہ، افسانہ، خطوط اور ناول نویسی کے لئے بہت موزوں ہے اردو غزل کی غنائیت اور موسیقیت کے دلنشیں تیور اور دیرانہ بانکپن کے توسیعی چاہنے والے گھائل ہیں، اس لئے کہ اردو کی جڑیں ہمیشہ عوامی زندگی کی سرگرمیوں اور دھڑکنوں میں پیوست رہی ہیں اور متوسط طبقے کے وابستہ، ہندو، مسلم تعلیم یافتہ اور خوش مذاق گھرانوں میں اس کے گیسو سنورتے رہے ہیں۔

ہندوستان میں" ایک علاقائی زبان، ایک راجیہ" کی لسانی ثقافت کا ایک جذباتی دور تو ختم ہو چکا اب یہ بھاری بھرکم علاقائی لسانی وحدتیں پھر سے منقسم اور مختصر ہونے کی جان گسل آویزش میں مبتلا ہیں۔ انتظامی امور میں سہولت کی خاطر چھوٹی چھوٹی وحدتوں کی جدوجہد کے اس سیلاب میں سارے بیجا تعصبات خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے اور جب یہ گرد و غبار صاف ہو جائے گی تب اردو کے ولآویز خط و خال اور اس کی خدمات نئے حق پرستوں پر روشن ہوں گی امید ہے کہ چھوٹی چھوٹی وحدتوں میں اردو کے ساتھ زیادہ انصاف اور رواداری کا سلوک کیا جائے گا تاکہ سیاسی مرکزیت یا شیرازہ بندی کے حق میں وہ اور زیادہ معاون ثابت ہو سکے۔

(امیر محمد خاں۔ جامعی)

فارسی میں ڈی لٹ

یکم جولائی ۱۹۹۹ء کا شمارہ پڑھ کر میرے احباب دریافت کرنے لگے کہ کیا "فارسی میں ڈی لٹ" پر جو مراسلہ سید نعیم الدین ایم، اے، کے نام سے ہماری زبان کے صفحہ ۸ پر چھپا ہے وہ میں نے لکھ کر بھیجا ہے؟ اطلاعاً عرض ہے کہ اس قسم کا کوئی مراسلہ میں نے "ہماری زبان" کو کبھی نہیں بھیجا۔ یہ کسی ستم ایجاد کی کرم فرمائی معلوم ہوتی ہے۔

امید ہے کہ "ہماری زبان" کے اگلے شمارے میں آپ میرا یہ تردیدی نوٹ شائع فرما دیں گے۔ (نعیم الدین)

ایک خط کے جواب میں

ہماری زبان مورخہ یکم جولائی ۱۹۹۹ء میں سید حامد حسین صاحب کا مراسلہ میری نظر سے گذرا لکھتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ باوجود یکہ یہ نسخہ بھوپال سے دریافت ہوا پھر بھی بعض احباب اسے "نسخہ امروہہ" کہنے پر مصر ہیں"

مجھے ۵ اپریل ۱۹۹۹ء کو شہر بھوپال سے یہ نسخہ ایک ایسے شخص سے ملا جو اس کی اہمیت سے قطعاً واقف نہ تھا۔ یہ گوشہ گمنامی میں تھا میں نے اسے اجاگر کیا لہٰذا میری مرضی ہے کہ جس طرح چاہوں جس کے نام چاہوں منسوب کروں۔

اگر اس کو "نسخہ امروہہ" کے نام سے مشہور کیا جا رہا ہے تو اس سے شہر بھوپال کی عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

(ذوالفقار احمد قادری چشتی مالک نیشنل بک ڈپو امروہہ)

جواب استفسار

ہماری زبان مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۹۹ء میں موسیٰ مجروح صاحب کے استفسار کے سلسلے میں عرض ہے کہ "ہماری زبان" میں "غالب سے منسوب ایک شعر کے بارے میں" کے عنوان سے ۸ نومبر ۱۹۹۶ء کو فرید صاحب کا اور پھر ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء کو ڈاکٹر ابو محمد سحر کا مراسلہ شائع ہو چکا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

(ایک خریدار)

ہماری زبان

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔ (ادارہ)

انجمن کی سرگرمیاں

انجمن ترقی اردو شاخ ناگپور

انجمن ترقی اردو شاخ ناگپور کا جلسہ زیر صدارت شاکر اورنگ آبادی صاحب صدر انجمن منعقد ہوا۔

سب سے پہلے ناقص گلاوٹھی کی وفات حسرت آیات پر رنج و افسوس کا اظہار کیا گیا۔ ایک تجویز کے ذریعے موصوف کی ادبی خدمات کو سراہا گیا نیز ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔

انجمن ترقی اردو نے گذشتہ اجلاس میں اردو اسکول کھولے جانے کی تجویز منظور کی تھی۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری سمجھا گیا کہ شہر کے مختلف علاقوں میں اسکول کھولے جائیں لہٰذا یہ اعلان کیا گیا امید کی جاتی ہے کہ اردو پڑھنے والے حضرات انجمن ترقی اردو ناگپور کو اپنی اس خواہش سے مطلع کریں گے کہ وہ اردو پڑھنا چاہتے ہیں؟ یقیناً مناسب تعداد فراہم ہونے پر مفت اردو تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا۔"

ایک تمثیلی مشاعرہ "یوم غالب" کے سلسلے میں کرنے کا پروگرام بھی ہے نگراں جناب بشیر محمد خاں صاحب ہیڈ ماسٹر سبحانیہ ہائی اسکول رکن انجمن کئے گئے ہیں۔

انجمن کی تشکیل کے موقع پر صدر انجمن کو اپنی ورکنگ کمیٹی خود منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ چنانچہ صدر موصوف نے کافی غور و خوض کے بعد مناسب حضرات پر مشتمل ایک مجلس عاملہ کی تشکیل کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ جناب منور حسین شاکر اورنگ آبادی۔ صدر
۲۔ جناب ڈاکٹر سی۔ ال۔ رندھیر۔ نائب صدر
۳۔ جناب صدر الدین صاحب ہاشمی۔
۴۔ جناب صادق حسین صدیقی۔ سکریٹری
۵۔ جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب ڈیہائی
۶۔ جناب ہدایت حسین صاحب
۷۔ جناب بشیر محمد خاں صاحب
۸۔ جناب عبد الشکور صاحب
۹۔ جناب فرید تنویر صاحب
۱۰۔ جناب معز الدین صاحب
۱۱۔ جناب عبد العزیز صاحب عزیز بھوپالی
۱۲۔ جناب فخر الدین صاحب ندوی
۱۳۔ جناب عارف الرحمٰن صاحب
۱۴۔ جناب سعد اللہ خاں صاحب
۱۵۔ پروفیسر چاندورکر
۱۶۔ پروفیسر رکیانہ
۱۷۔ پروفیسر زرینہ ثانی
۱۸۔ جناب جلیل ساز صاحب
۱۹۔ جناب حسن علی صاحب
۲۰۔ جناب سلیم اللہ صاحب
۲۱۔ جناب مونس حسین صاحب ایم۔ اے
۲۲۔ جناب تاج محمد صاحب جے۔ پی
۲۳۔ جناب ضیاء الدین صاحب ایڈوکیٹ
۲۴۔ جناب عبد المنان صاحب
۲۵۔ جناب سردار بادا سنگھ
۲۶۔ جناب شرف الدین صاحب ساحل

(صادق حسین صدیقی، سکریٹری)

لائبریری انجمن ترقی اردو بنارس کے انتخابات

۱۳ر جولائی ۱۹۹۹ء کو بمقام لائبریری دکتب انجمن کے شعبہ جات کا سالانہ انتخاب ہوا۔ ابتدا میں جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس نے سال گذشتہ کی رپورٹ پیش کی۔ بتایا گیا کہ لائبریری انجمن ہذا کی بنیاد ۲۲ر جنوری ۱۹۶۵ء کو رکھی گئی۔ اس زمانہ سے آج تک لائبریری برابر ترقی کر رہی ہے ۳۱ر مارچ ۱۹۹۹ء تک لائبریری میں کل پندرہ سو کتابیں آچکی ہیں ہندی اور انگریزی میں بھی تقریباً دو سو کتابیں موجود ہیں۔

رپورٹ سال گذشتہ پیش کرنے کے بعد بہ شمولیت نمائندگان انجمن ہذا اور ممبران لائبریری انجمن ہذا سال رواں کے لئے مجلس منتظمہ کا انتخاب ہوا جس میں مندرجہ ذیل عہدیداران اور ممبران منتخب ہوئے۔

۱۔ جناب عبد الحفیظ خاں صاحب (صدر)
۲۔ جناب کاشی پرشاد صاحب
۳۔ جناب ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب
۴۔ جناب شہاب الدین صاحب (نائب صدر)
۵۔ جناب قمر الدین صاحب بی۔ اے (سکریٹری)
۶۔ جناب صغیر احمد صاحب۔ (نائب سکریٹری)
۷۔ جناب عبد الرحمٰن صاحب (نائب سکریٹری)
۸۔ جناب محمد رضی صاحب (خازن لائبریری)
۹۔ جناب ضیاء الدین صاحب (محاسب)
۱۰۔ جناب کالی پرشاد صاحب ٹیچر دیانند کالج
۱۱۔ جناب رفیع صاحب
۱۲۔ جناب داتا رسول صاحب
۱۳۔ مولانا حاجی احمد مکرم اعظم صاحب
۱۴۔ پروفیسر حکم چند نیّر صاحب بنارس ہندو یونیورسٹی
۱۵۔ جناب امتیاز حسین صاحب
۱۶۔ جناب ریاض الحق صاحب
۱۷۔ حاجی محمد امین صاحب بجلی کوٹھی

۱۸- جناب سلام اللہ صاحب
۱۹- جناب حاجی مشتاق نبی صاحب
۲۰- جناب حسام الدین صاحب برنابلی
۲۱- جناب شیونا تھ پرشاد صاحب ایم۔ اے پروفیسر دیانند کالج دارانسی۔
۲۲- جناب حاجی انیس الرحمٰن صاحب
۲۳- حمید اللہ قریشی صاحب
۲۴- جناب محرم علی صاحب مدیر
۲۵- چودھری قمر الدین صاحب
۲۶- جناب عبد الرؤف صاحب

نوٹ:- آخری پانچ اصحاب بطور ممبران خصوصی نامزد ہوئے۔

برطانیہ میں غالب صدی تقریبات

ایک اطلاع کے مطابق برطانیہ میں غالب صدی تقریبات کا آغاز ۱۱ر جولائی کو ایک مشاعرے سے ہوا۔ یہ مشاعرہ ڈومینین سنیما ساؤتھ ہال میں منعقد ہوا۔ سامعین کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ ہندوستان کے متعدد فلمی اداکار بھی موجود تھے۔ مشاعرے کی صدارت کے فرائض فلمی اداکارہ نرگس نے انجام دئے۔

غالب صدی تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے برطانیہ میں ہندوستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر نے غالب کی شاعرانہ عظمت کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے غالب کی شاعری میں ان اقدار کا خاص طور سے ذکر کیا جو عالمی بھائی چارے اور انسان کی عظمت کا تصور پیش کرتی ہیں۔ اپنی تقریر کے دوران انھوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ برطانیہ کی غالب کمیٹی جو رقم چندے کے طور پر جمع کرے گی وہ غالب میموریل بلڈنگ کے لئے نئی دہلی روانہ کردی جائے گی۔

اس موقع پر فلمی اداکارہ وحیدہ رحمان، اداکار دلیپ کمار اور سنیل دت نے بھی غالب کو خراج تحسین پیش کیا۔

اس جلسے کے علاوہ ۱۲ر جولائی کو بریڈ فورڈ کے صنعتی شہر میں بھی شام غالب منائی گئی۔

تصویر غالب کی نقاب کشائی

مدراس:- پروفیسر محمد مجیب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) نے مدراس یونیورسٹی کو مرزا غالب کی ایک دل آویز تصویر نذر کی ہے۔ اس سلسلے میں ۱۵ر جولائی کو مدراس یونیورسٹی میں ایک شاندار تقریب کا انعقاد ہوا جس کی صدارت ریاست تامل ناڈ مدراس کے وزیر محکمۂ امور عامہ نے فرمائی۔ جلسے میں غالب کی فکری عظمت اور شعری محاسن پر پروفیسر مجیب نے ایک مفصل تقریر کی۔ تصویر کی نقاب کشائی کی رسم وزیر موصوف کے ہاتھوں ادا کی گئی۔

غالب ہال کی تعمیر

محبوب نگر (تلنگانہ):- ایک اطلاع کے مطابق محبوب نگر میں غالب ہال کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا ہے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک مجلس انتظامیہ کی تشکیل کی گئی ہے جس کے سرپرست اعلیٰ ریاستی وزیر جناب محمد ابراہیم علی انصاری ہیں۔ سرپرستوں میں ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر اور علاقائی انجمن ترقی اردو کے صدر بھی شامل کئے گئے ہیں۔

(تعمیر)

گاندھی جی کی یاد میں مشاعرہ

ہندوستانی ادبی سوسائٹی کانپور نے گاندھی جی کی یاد میں ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سوسائٹی کی ایک تجویز کے مطابق چونکہ گاندھی جی اردو زبان سے خاص شغف رکھتے تھے اس لئے سوسائٹی کے زیر اہتمام اگلا سالانہ مشاعرہ گاندھی جی کے نام سے منسوب ہوگا۔ اس سلسلے میں ایک مجلس انتظامیہ کی تشکیل کی گئی ہے۔

(قومی آواز)

اردو کی تعلیم کے لئے حکومت اترپردیش
دس لاکھ روپے خرچ کرے گی

لکھنؤ:- ۱۳ر جولائی کو اترپردیش کے وزیر مالیات نے قانون ساز اسمبلی کے سامنے جو بجٹ پیش کیا ہے اس میں اردو تعلیم کے فروغ کے لئے دس لاکھ روپے کی خصوصی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر معیاری کتابوں کی تیاری کے لئے ایک کارپوریشن قائم کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے جس کے لئے ۴۲ لاکھ روپیوں کی رقم مخصوص کی گئی ہے۔

(سیاست)

حکومت مہاراشٹر سے اردو تعلیم اور اردو اداروں کے لئے مطالبات

جمعیۃ العلماء (وودربھ) نے اپنے ایک خصوصی اجلاس میں جو قرارداد منظور کی ہے اس کی ایک تجویز میں حکومت مہاراشٹر سے

مطالبہ کیا گیا ہے کہ ادارہ اردو ٹیکنیکل اسکول دوبارہ کھولا جائے اور جہاں کہیں انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ موجود ہیں وہاں اردو سیکشن کا انتظام کیا جائے۔ اس کے علاوہ امراؤتی میں ایک اردو ہائی اسکول کا بورڈنگ قائم کیا جائے۔

اسی اجلاس میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ سہ لسانی فارمولے میں مہاراشٹر کے اردو پڑھنے والوں کے لئے صرف اردو، مراٹھی اور انگریزی زبانیں رکھی جائیں۔ اس سلسلے میں یہ جواز پیش کیا گیا ہے کہ مراٹھی اور ہندی، دونوں کا رسم خط چونکہ دیوناگری ہے اس لئے مراٹھی سیکھنے والے طلبہ ہندی سیکھنے کی صلاحیت خودبخود پیدا کرلیں گے۔ (الجمعیۃ)

الہ آباد کے چار اسکولوں میں اردو ذریعۂ تعلیم

محکمہ تعلیمات یو۔پی کے سرکلر جی۔او۔ نمبر ۱۔۲۔۳ (۱) ۲۵ /۳۰۔۲۶۶/۱۰۔۳۵ ۹۸۔۶۷۹ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۷۹ء کے مطابق شہر الہ آباد کے چار اسکولوں اور کالجوں میں موجودہ تعلیمی سال کے آغاز سے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ (سیاست)

کانپور کارپوریشن میں اردو سے متعلق تجویز

کانپور، مقامی شہری کارپوریشن کے ایک رکن ملا عبدالصمد نے اپنے ایک بیان میں بتایا ہے کہ ۳۰ ،۴۰ کارپوریٹروں کی طرف سے ان سب کے دستخطوں کے ساتھ اٹھ سات خصوصی تجاویز کارپوریشن کے آئندہ اجلاس میں غور کرنے کے لئے پیش کی گئی ہیں جن میں ایک میں اردو کے آئینی اور قانونی حقوق کی بحالی، کارپوریشن کا کام ہندی کے ساتھ اردو میں بھی کئے جانے اور بورڈ وغیرہ اردو میں لگائے جانے کے مطالبات بھی شامل ہیں۔ (ریاست)

اردو کے متعلق جی او

یو۔پی سرکار نے اردو کے حال پر مہربانی کرکے سترہ سالہ پرانے جی او کو باہر نکالا ہے میں اس کی بابت چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس کی تشہیر کے لئے وقت بالکل نہیں دیا گیا۔ جون کی آخری تاریخ میں جی او کا حال معلوم ہوا، اور پرائمری اسکول پہلی جولائی سے کھل گئے۔

اس جی او کی پوری طرح تعمیل بھی نہیں کی گئی ۹ جولائی کو سب ڈپٹی یا ڈپٹی انسپکٹر مدارس نے صرف زبانی کہہ دیا کہ ایک جی او آیا ہے جی کو یہاں اسکولوں کے ذمہ داروں کے پاس بھی بھیجنا گوارا نہیں کیا۔

اس کے علاوہ اسکولوں میں داخلے کسی خاص تاریخ تک نہیں ہوتے اور اردو لینے والے لڑکوں اور ان کے سرپرستوں کو یہ کہہ کر واپس کردیا جاتا ہے کہ اردو پڑھانے کے لئے طلبہ کی جو تعداد مقرر ہے وہ پوری نہیں ہوتی یہ پرانی دشواری ابھی برقرار ہے اور دشواری یہ ہے کہ پچھلے سترہ برسوں میں اردو کے پڑھانے والے بھی پیدا نہیں ہوئے۔

ایسی حالت میں مذکورہ جی او محض ایک تماشا اور منہ چھپانے والی سیاست ہے۔ اگر واقعی اردو کو اس کا حق دینا ہے تو سرکار اس جی او کو تاکید کرکے ہر اسکول میں بھجوائے۔ بہرحال کوشش ہو رہی ہے لیکن مقررہ تعداد کا پورا ہونا مشکل ہے کیوں کہ ٹیچروں کو اپنی ملازمت کا ڈر ہے اور اگر یہ مرحلے طے کرلیں تو بڑا سوال کورس کی کتابوں کا ہے۔ وہ نامید ہیں۔

طاہر محسن علوی
بابو رام گپتا
انجمن ترقی اردو کاکوری ضلع لکھنؤ
(قومی آواز)

جنوب مشرقی اور ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا فروغ
شکاگو یونیورسٹی کو حکومت امریکہ کی گرانٹ

شکاگو ۲۴ جولائی۔ شکاگو یونیورسٹی میں جنوب مشرقی ایشیا کی زبانوں اور اس علاقہ کے تعلیمی سنٹر کو حکومت امریکہ کی وزارت تعلیم نے ستمبر سے شروع ہونے والے تعلیمی سال سے ایک لاکھ ۲۱ ہزار ڈالر کی گرانٹ منظور کی ہے تاکہ وہ متعلقہ علاقہ کی زبانوں اور تعلیموں کو وسعت اور ترقی دے سکے۔

یہ گرانٹ جنوبی ایشیا کی زبانوں کے مطالعہ میں امداد کے لئے مقصود ہے ان زبانوں میں ہندی، بنگالی، کناڈی، ملیالم، سنسکرت، تامل اور اردو بھی شامل ہیں۔ (انکار)

ہندوستانی رسائل پانے والوں کو پاکستان میں نوٹس

نئی دہلی ۲۵ جولائی۔ پاکستان ٹائمز کی اطلاع کے مطابق مغربی پاکستان میں ان لوگوں اور اخبارات کو وجہ بتاؤ نوٹس دیئے گئے جن کو ہندوستان کے رسائل اور اخبارات ڈاک سے ملتے ہیں یہ نوٹس کسٹم افسران نے جاری کئے ہیں۔ (الجمعیۃ)

مختصرات

• جناب نسیم صدیقی، ایم۔ ایل۔ اے (مسلم مجلس) نے اپنے ایک پریس نوٹ میں بتایا ہے کہ محکمۂ تعلیمات یو۔پی نے اردو ذریعہ تعلیم کے سلسلے میں جو احکامات جاری کئے تھے ان کی تعمیل میں مختلف اضلاع کے متعلقہ سرکاری عہدیدار تنگ نظری اور تاخیر سے کام لے رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اپنے فرمان کی تعمیل کا جائزہ لے اور غیر ذمہ دار عہدیداروں سے جواب طلب کرے۔ •

• مسلم یوتھ ایسوسیئیشن رانچی نے آزاد ٹیوٹوریل کالج قائم کیا ہے جہاں طلبہ کے لئے مفت تعلیم کا انتظام ہے۔ •

• "سیماب کی نعتیہ شاعری" کے موضوع پر زرینہ ثانی نے جو تحقیقی مقالہ ناگپور یونیورسٹی میں پیش کیا تھا، اسے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے یونیورسٹی نے منظور کر لیا ہے۔ •

• رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز نے "اردو کے اہم ادبی رسالے اور اخبار" نامی کتاب شایع کی ہے۔ کتاب کے مرتب جناب عابد رضا بیدار ہیں۔ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مبلغ دس روپیوں میں ۱۸۰۲ کلاں محل دہلی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ •

• ڈاکٹر محمد آصف قدوائی، جمیل مہدی اور حفیظ نعمانی کی ادارت میں لکھنؤ سے ایک نیا ہفت روزہ "عزائم" شایع ہوگا۔ پہلا شمارہ ۹ اگست تک منظر عام پر آجائے گا۔ •

بانی صفحہ ۵ سے آگے

زندگی صغریٰ ہے کبریٰ ہے حیات
حد اوسط ہے عذابوں سے نجات
رہ گیا باقی نتیجہ "وصل دوست"
"ہر دو عالم ایک فروغ روئے اوست"

معرفت" کے لفظ نے سمجھا دیا
ایک خودی گم ہو تو مل جائے خدا
گھر سے نکلو شکل دیکھو راہ کی
معرفت ہے نفس سے اللہ کی
خود کو پہچانو تو اس کو جان لو
مانی ہو آئے آہ کتنا مان لو

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (ادارہ)

اردو گھر فنڈ

چندہ اردو گھر فنڈ یکم جولائی تا ۳۱ جولائی ۱۹۶۹ء

نمبر شمار	نام معطی ومقام	رقم چندہ	ذریعہ ترسیل وصول	کیفیت
۱	جناب میر نجم الحسن صاحب نقوی	۵—۰۰	نقد	[illegible]
۲	" ماسٹر عبدالمقتدر صاحب	۲—۰۰	"	
۳	محترمہ مس افسر بانو صاحبہ	۲—۰۰		[illegible]
۴	" " جمیلہ قمر "	۱—۰۰		
۵	" " ناظمہ صدیقی	۱—۰۰		
۶	" " مصطفائی خانم "	۲—۰۰		
۷	" مسز آمنہ سعید "	۲—۰۰		
۸	" مس عزیز فاطمہ رزاق "	۵—۰۰		
۹	" مسز امین حسن "	۲—۰۰		
۱۰	" مس فخر النساء آفتاب "	۱—۰۰		
۱۱	" مسز سعیدہ عباس "	۲—۰۰	نقد	
۱۲	" مس ماہ لقا بیگم "	۱—۰۰		
۱۳	" مس بلقیس رحمٰن "	۲—۰۰		
۱۴	" مسز اشرف جہاں "	۱—۰۰		
۱۵	جناب ذبیح اللہ صدیقی صاحب	۲—۰۰		
۱۶	محترمہ مس نسیم فاطمہ جعفری صاحبہ	۵—۰۰		
۱۷	" مس نفیس فاطمہ "	۲—۰۰		
۱۸	" مسز شاہ جہاں توقیر "	۱—۰۰		
۱۹	" مسز شریف النساء بیگم "	۲—۰۰		
۲۰	جناب مسیح ناصری علیہ السلام صاحب ڈاکخانہ نگری ضلع بنگلور	۲—۰۰	منی آرڈر	خود
۲۱	جناب ہنری سی۔ ہارٹ صاحب وسکانسن	۲۷—۵۰	چیک	[illegible]
۲۲	جناب ایس۔ این۔ پانڈے صاحب وسکانسن	۳۷—۵۰	"	
۲۳	جناب جوہن رچارڈسن صاحب وسکانسن	۲۷—۵۰	"	

میزان حال	۱۵۷—۵۰
" سابق	۱۳۵۲۱—۲۵
کل میزان	۱۳۶۷۸—۷۵

تصحیح ۸ جولائی کے ہماری زبان میں اردو گھر کے چندے کی فہرست میں نمبر ۱۶ پر جناب انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایسوسیئیشن میرٹھ جو ۲۵/- روپیہ کا چیک طلب اس میں خود کی جگہ معرفت جناب برہم ناتھ دت امرتسر پڑھا جائے۔

تبصرے

ڈاکٹر شمیم حنفی

کتاب :- افکارِ میر
مرتب :- ایم حبیب خاں
ناشر :- انڈین بک ہاؤس (انڈیا) پرائیویٹ کوٹھی علی گڑھ
قیمت :- نو روپے

بعض اہم ادبی شخصیتوں پر بکھرے ہوئے مضامین کی شکل میں خاصا قیمتی مواد مل جاتا ہے لیکن ایسی مستقل تصانیف کی کمی کھٹکتی ہے جو خصوصی مطالعے کا مرکز قرار دی جا سکیں۔ نصابی ضرورتوں یا ذاتی شغف کے پیشِ نظر کسی اہم شاعر کا سیر حاصل مطالعہ کرتے وقت اس کمی کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔ مستقل تصانیف میں عام طور پر یہ عیب بھی پایا جاتا ہے کہ ان کے مختلف شعبوں میں معیار اور سطح کا توازن قائم نہیں رہتا۔ اگر سوانحی حالات مستند اور معتبر معلوم ہوتے ہیں تو تنقید و تجزیے کے میدان میں یہ کتابیں زیادہ دور تک ہماری رہنمائی نہیں کر پاتیں۔ ایسی صورت میں یہ خدمت بھی کچھ کم وقیع نہیں کہ ایک اہم شاعر یا ادیب پر مختلف رسائل یا مجموعوں میں بکھرے ہوئے مضامین کا جامع انتخاب کسی ایک کتاب میں یکجا کر دیا جائے۔

ایم۔ حبیب خاں کی مرتبہ افکارِ میر ایسی ہی کوشش ہے۔ انھوں نے میر سے متعلق منتشر مواد کے انبار سے ایسے مضامین الگ کر لیے ہیں جن سے میر کی شخصیت اور فکر و فن کے تقریباً تمام اہم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے بیشتر مضامین کی حیثیت اردو تنقید و تاریخ کی روایت میں بہت اہم اور معتبر ہے۔ ترتیب و تالیف کا کام بظاہر جتنا آسان نظر آتا ہے اتنا ہی دشوار بھی ہے کیونکہ اس منزل پر مرتب کے نقد و نظر کا امتحان بھی ہو جاتا ہے۔ حبیب صاحب ایک ذہین اور ذمہ دار مرتب کی آزمائشوں میں پورے اترے ہیں۔ مقدمے میں میر کے منفرد و بہتر نشتروں کے علاوہ ان کی شعری کائنات سے ایسے متعدد اشعار چن کر یکجا کر دیے گئے ہیں جن کی حیثیت ان نشتروں سے کم نہیں رہ جاتی۔ اس کے علاوہ انھوں نے "میر کلوخ" اور "میر اہم تذکرہ نگاروں کی نظر میں" کے عنوان سے دو مضامین لکھ کر اپنی تنقیدی بصیرت اور تحقیقی استعداد کی قابلِ قدر مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ کتاب کے آخری باب میں انھوں نے میر کے ایسے اشعار کا ایک عمدہ انتخاب بھی شامل کر دیا ہے جن سے میر کی اقتاد طبع کو خود ان کے لفظوں میں سمجھنے کی راہ نکلتی ہے۔ میر سے متعلق کتابوں اور رسائل کی فہرست اور اشاریے کی شمولیت نے اس مجموعے کے وزن و وقار میں مزید اضافہ کیا ہے۔ اہم مضامین مولوی عبد الحق مرحوم، پروفیسر آلِ احمد سرور، قاضی عبد الودود، فراق گورکھپوری اور مجنوں گورکھپوری کے ہیں۔ ذکرِ میر کا ترجمہ اور تلخیص (نثار احمد فاروقی) بھی سلیس اور رواں ہے۔

کتاب کی ترتیب و طباعت سے بھی مرتب کی خوش مذاقی اور سلیقہ مندی کا پتہ چلتا ہے۔ ہر باب کی ابتدا میر کے ایک شعر سے ہوتی ہے۔ میر کا خصوصی مطالعہ کرتے وقت ادب کے کسی بھی طالب علم کے لئے افکارِ میر کو نظر انداز کرنا بد نصیبی کی بات ہوگی۔

کتاب کا نام صحیح نہیں۔ یہ میر کے افکار کا مجموعہ نہیں، میر پر مضامین کا مجموعہ ہے۔ نام کو کتاب کی خصوصیت ظاہر کرنا چاہئیے۔

کتاب :- نیا چلے (مجموعۂ کلام)
مصنف :- مدہوش بلگرامی
ناشر :- آشا بلگرامی، معرفت بیگم ہوشیار جنگ، "ادلار" ہیبٹن روڈ باندرا بمبئی ۵۰

مدہوش بلگرامی کی شاعری مبہم رومانی فضا اور نیم جذباتی سیاسی رویے کے غبار میں اس طرح پیش ہوتی ہے کہ اس سے کسی انفرادی تخلیقی بصیرت کی توقع بے سود ہوگی۔ بنیادی طور پر وہ ساحر لدھیانوی اور کہیں کہیں اختر شیرانی کی تہیں کے شاعر نظر آتے ہیں۔ سماجی نا انصافی، تنہائی، بے بسی اور خود رحمی کے روایتی احساس سے ان کی شاعری آگے نہیں بڑھتی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

زندگانی کی سونی راہوں میں ہائے وہ بھی تو میرے ساتھ نہیں
ہر طرف حسرتیں تڑپتی ہیں ہاتھ میں میرے ان کا ہاتھ نہیں

یہ کیا ستم ہے کہ وہ بات بھی نہیں کرتے جنہیں سے راز ہمارے چھپائے جاتے ہیں

گزر رہے گئے تیری یاد میں اب زندگی کے دن میں تجھ کو بھول جاؤں یہ ممکن کبھی نہیں

۱۲۸ صفحات کے اس مجموعے کی قیمت دو روپیے پچاس پیسے ہے۔

تصحیح

ڈاکٹر ابو محمد سحر کے مضمون "دیوانِ غالب نسخۂ بھوپال، چند اختلافات" مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ جولائی ۱۹۷۹ء میں صفحہ ۸ کالم ۱ سطر ۲۵ میں "جنگ" کے بجائے "جنگ" کالم ۲ سطر ۲۱ میں "چھپنے" کے بجائے "پہلے صفحے سے"، صفحہ ۸ کالم ۱ سطر ۲۵ میں "ڈاکٹر صاحب" کے بجائے "ڈاکٹر صاحب" اور صفحہ ۸ کالم ۲ سطر ۱۸ میں "مکتبہ" کے بجائے "مکتوبہ" پڑھا جائے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید ضیا دہلی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا